کے وقت یا جمع صوری کرے یا سفر پر قیاس کر کے گھروں میں ہر نماز وقت پر پڑھنے کی اطلاع کرے۔

اور اگر حضر میں بوجہ بارش جمع تقدیم یا تاخیر جائز ہوتا تو ضرور آپ ﷺ سے اس کی وضاحت ملتی، جبکہ مشہور حدیث میں ہے کہ اہل مدینہ پر آپ ﷺ کی دعا سے ایک ہفتہ مسلسل بارش ہوتی رہی۔ ان ایام میں کسی بھی یوم میں دو نمازوں کو اکٹھا کر کے پڑھنا ثابت نہیں، جبکہ عذر اور سبب ایک ہفتہ تک لگا تار موجود تھا۔

بارش کی وجہ سے دو نمازوں کو اکٹھا پڑھنے کی روایات میں اس طرح آیا ہے: (**جمع النبی ﷺ بین الظهر والعصر والمغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر**) ''آپ ﷺ نے شہر مدینہ میں ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو بغیر خوف و بارش کے جمع کر کے پڑھ لیا۔'' (مسلم ۲/ ۱۵۱، ابو داؤد حدیث ۱۲۱۰، صحیح ابن خزیمة حدیث ۹۷۲، السنن الکبری للبیهقی ۳/ ۱۶۶) وفی روایة لمسلم: (**من غير خوف ولا سفر**)

وجہ استدلال: جب ''**جمع بین الصلاتین**'' بغیر خوف وخطر اور بغیر بارش وغیرہ کے ''**جائز**'' ہوا، تو ان اعذار کی موجودگی میں جمع کر کے پڑھنا ''**بالاولیٰ**'' ثابت ہوا، تا کہ امت تکلیف و مشقت میں نہ پڑے۔

حضرت عبداللہ بن عمر، حبر الامۃ ابن عباس، عروۃ بن زبیر رضی اللہ عنہم، ابوبکر بن عبدالرحمٰنؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، اور سعید بن المسیبؒ وغیرہ کا عمل بھی اسی طرح تھا۔ [مجموع الفتاوی ۲۴/ ۸۲۔۸۴]

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے جمع بین الصلاتین اور قصر کے مسائل پر علماء کے اختلاف، اقوال، دلائل ونکتہائے نظر، دلائل کے مناقشے وجائزے اور راجح وصحیح اقوال پر طویل وسیر حاصل بحث کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

''علماء کے مابین مسئلہ ہذا میں سبب الخلاف جمع والی احادیث ہے، جو کہ تعداد میں قلیل ہیں۔ عرفہ اور مزدلفہ میں جمع پر سب کا اتفاق ہوا، کیونکہ یہ تواتر سے منقول ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے برعکس دیگر ائمہ تک جمع والی حدیثیں پہنچ گئیں جو ان کے نزدیک صحیح تھیں۔ لہٰذا اس کے موجب انہوں نے جمع کو جائز کہا۔

جمع کی علت کو صرف سفر سمجھنا درست نہیں، جمع حسب ضرورت وقت کے شروع، درمیان اور آخر میں کی جاسکتی ہے۔ اور اس کی علت وحکمت درپیش حرج، مشقت، تکلیف اور شغل جیسی چیزیں ہیں، جیسے: مرض، بارش، زمین کا انتہائی دلدلی ہونا وغیرہ۔ مستحاضہ عورت کو اسی طرح حکم نبوی دیا گیا۔ اس پر مستزاد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام کا تعامل بھی رہا ہے۔'' واللہ اعلم [مجموع الفتاوی ۲۴/ ۱۹۔۸۴]

☆☆☆

اصلاح عقیدہ، قسط:22

بدعت کی شرعی حیثیت

محمد حسن آصم صدیقیؒ

بدنی اور مالی طریقے پر ایصال ثواب کا حکم:

جمہور اہل اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ میت کے لیے ایصال ثواب درست اور جائز ہے، خواہ بدنی عبادت ہو خواہ مالی۔ البتہ بدنی عبادت (مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن وغیرہ) میں حضرت امام مالک اور امام شافعی اختلاف کرتے ہیں۔ مولانا عبدالمجید صاحب (غیر مقلد) فرماتے ہیں: ''مروجہ ختم بدعت ہے، ہاں اگر خاموشی سے بلا ریاکاری کے صدقہ دیا جائے تو اس کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے، اسی طرح تلاوت قرآن کریم کا بھی۔'' ☆ (مجلہ اہل حدیث سوہدرہ ۸ ستمبر ۱۹۴۹) اور نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں: ''وبودن ایں تلاوت مجعول برائے میت قادح نیست۔'' (دلیل الطالب الی اشرف المطالب)

☆ شرعی دلائل کی رو سے میت کو دوسروں کے عمل سے فائدہ ملنے والی چیزیں:

{1}۔ دعا:

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿والذین جاء وا من بعدهم یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان﴾ ''اور وہ لوگ جو ان (صحابہ کرامؓ) کے بعد آئے دعا گو رہتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان دینی بھائیوں کو معافی عطا فرما جو ایمان لانے میں ہم سے سبقت لے گئے ہیں۔'' (الحشر: ۱۰)

ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان شخص کی اپنے بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں کی گئی دعا قبول ہو جاتی ہے، ایسی دعا کرتے وقت اس کے سر کے پاس ایک فرشتے کی ڈیوٹی لگائی جاتی ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے کسی بھلائی کی دعا کرتا ہے تو وہ مقررہ فرشتہ اس پر کہتا ہے: '' آمین ولک بمثل '' ''اللہ تیری دعا قبول فرمائے اور تجھے بھی ایسی ہی بھلائی نصیب فرمائے۔'' [مسلم، کتاب الذکر باب فضل الدعاء للمسلمین بظهر الغیب، ح:۸۶۔۸۸، مع المنهاج: ۱۷/۴۹]

{2}۔ روزہ:

میت کے قریبی رشتہ دار کو اس کے ذمے واجب الادا روزے رکھنے چاہئیں۔ حدیث نبوی ہے: ''من مات وعلیه صیام صام عنه ولیه'' [بخاری، الصوم، باب ۴۲ من مات وعلیه صوم ح ۱۹۵۲، مسلم، الصیام ح: ۳۰ عن عائشة ۷/۲۳]=

=(3)۔ قرض کی ادائیگی :

''رسول اللہ ﷺ کے ہاں مقروض شخص کا جنازہ لایا جاتا تو آپ ﷺ پوچھتے: ''کیا اس نے اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ مال چھوڑا ہے؟'' اگر کہتے: ''ہاں'' تو اس کی نماز جنازہ پڑھتے، ورنہ آپ ﷺ مسلمانوں سے فرماتے تھے: ''تم لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھو۔'' پھر اللہ نے آپ ﷺ کو فتوحات سے نوازا تو آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: ''میں مؤمنوں کا ان کی اپنی جانوں سے بڑھ کر قریبی ہوں، پس جو بھی مؤمن قرض چھوڑ کے فوت ہو جائے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے اور جو کوئی مال و دولت چھوڑ کر وفات پا جائے تو وہ مال اس کے وارثوں کے لیے ہے۔'' [البخاری، النفقات، باب ۱۵ من ترك كلا أو ضياعا فالى ح ۵۳۷۱ مسلم، کتاب الفرائض ح:۱۴ عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ ۱۱/۵۹]

ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''ایک شخص نماز جنازہ پڑھانے کے لیے نبی کریم ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا'' آپ لوگ اپنے ساتھی کی نماز جنازہ پڑھیں (میں نہیں پڑھوں گا) کیونکہ اس پر قرض ہے۔'' ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''وہ قرض میں اپنے ذمے لیتا ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''ادائیگی کا ذمہ؟'' اس نے کہا: ''ادائیگی کا ذمہ'' تب آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی۔'' [البخاری، کتاب الحواله، باب ۳ ح ۲۲۸۹ عن ابن الاکوع رضی اللہ عنہ ۴/۵۴۵، کتاب الکفالة باب ۳ ح ۲۲۹۵ مختصراً]

البانی رحمہ اللہ: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرض کی ادائیگی میت کے ولی یا وارث کے علاوہ کسی اور شخص (یا بیت المال کے ذریعے ہو) تب بھی میت بریٔ الذمہ ہو جائے گا۔ (احکام الجنائز مسئلة: ۱۷ ص:۱۷)

(4)۔ نیک اولاد کے نیک اعمال :

''ایک شخص کی ماں اچانک فوت ہوگئی، اسے وصیت کا موقع نہ ملا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا'' ہاں۔'' [البخاری، الجنائز، باب ۹۵ موت الفجاءة ح ۱۳۸۸، الوصایا، باب ۱۹، مسلم، الوصية ح ۱۲، ۱۳، الزكاة ح ۵۱]

العاص بن وائل السہمی ایک سو غلام آزاد کرنے کی وصیت کر کے مرگیا، اس کے بیٹے ہشام رضی اللہ عنہ نے پچاس آزاد کیے، پھر دوسرے بیٹے عمرو رضی اللہ عنہ نے باقی پچاس آزاد کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''انه لو كان مسلماً فاعتقتم عنه او تصدقتم عنه او حججتم عنه بلغه ذلك.'' ''بات یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہوتا پھر تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا حج کرتے تو اسے یہ (ان کا ثواب) پہنچ جاتا۔'' [ابوداؤد، کتاب الوصایا، باب ۱۶، وصية الحربی حدیث: ۲۸۸۳ ۳/۳۰۲ وحسنه الالبانی ۔ احکام الجنائز ص: ۱۷۳ مسئلة: ۱۱۷] =

حافظ ابن القیمؒ نے ''کتـــاب الـــروح'' میں اس مسئلے کی نقلی اور عقلی طور پر مبسوط بحث کی ہے۔حق اور اقرب الی الصواب بات یہی ہے کہ بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے۔☆

=[5]۔ انسان کی نیکیوں کے جاری ثمرات:

﴿ انا نحن نحیی الموتٰی ونکتب ما قدموا وآثارھم وکل شیٔ أحصینٰہ فی امام مبین ﴾ ''یقیناً ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور ہم ان کے پیش کردہ اعمال بھی لکھتے ہیں **اور پیچھے چھوڑ جانے والے اعمال بھی** اور ہم نے ہر چیز کو واضح کتاب میں درج کر رکھا ہے۔'' [یٰسٓ:۱۲] ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں : ''انسان کی موت کے ساتھ اس کے عمل کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے، سوائے تین چیزوں کے: صدقہ جاریہ، نفع بخش علم، نیک اولاد جو اس کے حق دعا کریں۔'' [صحیح مسلم کتاب الوصیة، ح: ١٤، سنن ابی داؤد، وصایا، باب ١٤، سنن النسائی، وصایا، باب٨، مسند احمد٢/٣٧٢]

علامہ ابن ابی العزؒ کہتے ہیں: اس حدیث میں میت کو ان اعمال سے فائدہ پہنچنے کا بیان ہے جن کا وہ سبب بنا ہو۔اور جن کاموں کا وہ اپنی زندگی میں سبب نہ بنا، ان کا سلسلہ منقطع ہوجائے گا۔ (شرح العقیدة الطحاویة ص:٤٥٢)

[6]۔ تلاوت قرآن وغیرہ:

ابن ابی العزؒ: تلاوت قرآن پاک اگر خلوص کے ساتھ بلا معاوضہ ہو، پھر تلاوت کرنے والا اس عمل کا ثواب کسی میت کو پہنچانے کی دعا مانگے تو میت کو فائدہ پہنچے گا۔لیکن دوسرے لوگوں کو اجرت دے کر قرآن مجید پڑھوائے تو اس کا ثواب کسی کو بھی نہیں پہنچتا، کیونکہ اجرت کی خاطر کی گئی تلاوت ہی مقبول عمل نہیں ہے۔[شرح العقیدة الطحاویة ص: ٤٥٧]

امام ابن کثیرؒ نے ﴿ وان لیس للانسان الا ماسعی ﴾ [النجم:٣٩] کی تفسیر میں لکھا ہے: اس آیت سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے کہ قراءتِ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچایا جاسکتا، کیونکہ یہ اس میت کا کسب نہیں ہے۔

☆ ماں باپ کی طرف سے صدقہ کرنے کی احادیث پر بحث کرتے ہوئے امام شوکانیؒ نے کہا:

'' معلوم ہوا کہ وصیت کے بغیر بھی اولاد کے صدقے کا فائدہ والدین کو ملتا ہے، اور انسان کی اولاد اسی کی کمائی ہے۔ لہٰذا یہ بھی ﴿الا ما سعٰی﴾ میں داخل ہے۔ہاں عام قرآنی دلائل کی رو سے اولاد کے سوا کسی کا عمل میت کو نہیں پہنچتا۔پس جس قدر شریعت میں ثابت ہے اسی پر اکتفا کرنا چاہیے، یہاں تک کہ ایسی دلیل ملے جس سے منع والی دلائل کی تخصیص ہوسکے۔اور صدقہ کے علاوہ دیگر اعمال کا ثواب میت کو پہنچنے میں بھی علمائے اسلام کے آپس میں اختلاف ہے۔'' [نیل الأوطار٤/١٠٥]

لہٰذا امام حافظ ابن القیم رحمة الله علیه یا کسی بھی عالم وفقیہ کا قول بغیر دلیل شرعی کے **قبول** نہیں کیا جاسکتا۔ (ابومحمد) =

مگر چند بنیادی اور اصولی شرائط کا پورا ہونا ضروری ہے، بصورت دیگر عمل کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا:

(۱) میت کا مؤمن اور صحیح العقیدہ مسلمان ہونا ضروری ہے، گو کتنا ہی گناہگار رہو۔ اسی طرح ایصال ثواب کرنے والے کا بھی توحید وسنت کا پیروکار ہونا ضروری ہے۔

(۲) عبادت خالص رضائے الٰہی کے لیے کی گئی ہو۔ ناک اونچی رکھنے اور نام ونمود کا سوال نہ ہو۔ نہ لوگوں کے طعن وتشنیع سے بچنے کا خیال ہو۔

= علامہ البانی کہتے ہیں: بعض علماءؒ دیگر لوگوں کو بھی والدین پر **قیاس** کر کے ہر کسی کے لیے ایصال ثواب کا نظریہ رکھتے ہیں۔ یہ **قیاس** درج ذیل وجوہات سے **"باطل"** ہے:

{1} **یہ عام قرآنی نصوص کے خلاف ہے۔** جیسے: ﴿ ومن تزکیٰ فانما یتزکیٰ لنفسہ والی اللہ المصیر ۞ ﴾ (فاطر:۱۸) ''اور جو کوئی پاکیزگی حاصل کرے تو اس کی پاکیزگی سے خود ہی فائدہ اٹھائے گا اور اللہ پاک ہی کی طرف لوٹنا ہے۔'' قرآن پاک میں جگہ جگہ فوز وفلاح کو خود انسان کے اعمالِ صالحہ سے مشروط کیا گیا ہے۔ ہاں والدین بچے کی اچھی تربیت کر کے اور دینی تعلیم دلا کر اپنے لیے نیکی بڑھانے کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔

{2} **یہ "قیاس مع الفارق" ہے۔** فرمان الٰہی ہے: ﴿ کل نفس بما کسبت رھینة ۞ ﴾ (المدثر:۳۸) ''ہر فرد اپنی اپنی کمائی کے عوض گروی ہے۔'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان أطیب ما أکل الرجل من کسبہ وان ولدہ من کسبہ" ''بیشک انسان جو کچھ کھاتا ہے ان میں سے پاکیزہ ترین (حلال) اس کی اپنی کمائی ہے اور یقیناً اُس کی اولاد بھی اسی کی کمائی ہے۔''

[سنن ابی داؤد، البیوع، باب ۷۹: الرجل یأکل من مال ولدہ، حدیث: ۳۵۲۸۔۳۵۳۰، جامع الترمذی، الأحکام، باب ۲۲، حدیث: ۱۳۵۸ وقال: حسن صحیح، سنن النسائی، البیوع، باب ۱، سنن الدارمی ۲/۳۲۱]

{3} **اگر یہ قیاس درست ہوتا تو اسلاف کرامؒ اس عمل میں بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے۔**

جبکہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اسلافؒ کی روش یہ نہیں تھی کہ جب وہ نفل نماز، روزہ، حج یا تلاوتِ قرآن کریں تو اس کا ثواب مسلمان فوت شدگان کو ہدیہ کرتے ہوں۔'' (الاختیارات العلمیة ص:۵۴)

{4} **عمومی اہداءِ ثواب کے عقیدے کا برا نتیجہ** یہ ہے کہ بعض لوگ دوسروں کے اعمال حسنہ کا ثواب لینے کی امید رکھتے ہوئے اپنے فرائض تک کی ادائیگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ جبکہ صحیح وراجح نظریے کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض بحسن وخوبی انجام دے کر اپنے لیے نجات کا انتظام خود کرے اور اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت کا بندوبست کرے۔ [احکام الجنائز ص ۱۷۳۔۱۷۵]

(۳) جو مال صدقہ کیا جائے وہ حلال اور طیب ہو۔ حرام، مشکوک و مکروہ قسم کا نہ ہو۔

فقہائے احنافؒ نے یہاں تک کہا ہے کہ: "ولو علم الفقير انه من الحرام و دعا له و امّن المعطى كَفَرَا" ''اگر فقیر کو پتہ ہو کہ یہ مال جو مجھے دیا جا رہا ہے حرام ہے، پھر بھی اس نے دینے والے کے حق میں دعا مانگی اور دینے والے نے ''آمین'' کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے۔'' [شرح الفقه الاكبر، وفى فتاوىٰ عالمگيرى نحوه]

اسی طرح خیرات دینے کے بعد احسان جتلانے اور اذیت رسانی سے بالکل اجتناب کیا جائے۔ [البقرة: ٢٦٤]

(۴) جو مال صدقہ وخیرات میں دیا جائے' اس کے سارے مالکان اس خرچے پر راضی اور متفق ہوں۔ کوئی وارث غائب یا نابالغ نہ ہو۔ ورنہ اس کا خرچ کرنا بلا خلاف حرام اور موجب عذاب الٰہی ہے۔

امام قاضی خانؒ کہتے ہیں: (وان اتخذ طعاما للفقراء كان حسنا اذا كانوا بالغين ، فان كان فى الورثة صغيرا لم يتخذوا ذلك من التركة) ''فقراء کے لیے کھانا تیار کرنا اچھا ہے اگر سارے بالغ ہوں، اگر ان میں سے کوئی چھوٹا ہو تو ترکہ میں سے نہیں بنا سکتے۔'' [فتاوى قاضى خان]

علامہ شامیؒ کہتے ہیں: حديث حرير ﷺ يدل على الكراهية ولاسيما اذا كان فى الورثة صغار أوغائب۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: بل صح عن حرير ﷺ '' كنا نعده من النياحة '' وهو ظاهر فى التحريم۔ قال الغزالى: ويكره الأكل منه ، قلت: هذا اذا لم يكن من مال اليتيم والغائب، والا فهو حرام بلا خلاف۔ [مرقاة المفاتيح]

خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں: ''غالباً ورثہ میں کوئی یتیم یا نابالغ بچہ ہوتا ہے یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا ہے، جب تو یہ امر سخت حرام پر متضمن ہوتا ہے۔ ﴿ان الذين يأكلون أموال اليتامىٰ ظلما﴾ (النساء: ١٠) ﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (البقرة:١٨٨) لأن الولاية لنظره للضرر على الخصوص۔ ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوائیں تو حرج نہیں بلکہ ثواب ہے، بشرطیکہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے۔ ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود، بالغ و نابالغ راضی ہوں۔'' [احکام شریعت]

خان صاحب کی یہ عبارت قابل داد ہے، مگر ان کا مجددانہ مغالطہ قابل غور بھی ہے کہ جب نابالغ کو اپنے مال کا' باقرارِ خان صاحب خود بھی اختیار نہیں، تو پھر ''بالغ و نابالغ راضی ہوں'' کا کیا مطلب ہے؟ اس کی رضا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ فقہائے احناف نے تصریح کی ہے: لايجوز وصية الصبى اذا لم يكن مراهقاً عندنا۔ بچے کی وصیت ہمارے